سنّت کی مختلف جہات اورشریعتِ اسلامیہ میں اس کا مقام

(ایک جائزہ)

مقبول حسن*

کتاب اللہ کے بعد رسول اللہ کی ''سنت''شریعتِ اسلامیہ کا دوسرا ماٴخذ و مصدر ہے، یہ قرآن کریم کی تشریح وتوضیح اورخود کئی مستقل احکاماتِ دین کا ذریعہ ہے۔اتّباعِ سُنّت کے بغیر اتباعِ خدا ہو ہی نہیں سکتی یہ بات نقلی وعقلی دونوں حیثیتوں سے مسلّم ہے۔

سنت کا لغوی مفہوم

سُنت کے لفظی معنٰی طورطریقے ، راستے ، دَستور،طبیعت ،عادت،شریعت اور رواج کے ہیں۔اس طرح سنت النبی کے لفظی معنی، نبی ﷺ کا اپنایا ہوا طریقہ اورسنت اللہ کے لفظی معنی، اللہ تعالیٰ کا دستور اور طریقہ ہے۔(۱)

قرآنِ مجید میں سنت کا لفظ یوں استعمال ہوا ہے:

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً (۲)

''اللہ کا یہی طریقہ ان کے بارے میں بھی تھا جو ان سے پہلے گزر گئے ہیں اور آپ کو اللہ کے کسی دستور میں کوئی تبدیلی نہیں ملے گی۔''

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلاً (۳)

''اورآپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں کوئی تغیر وتبدّل نہیں پائیں گے۔''

امام طبری کے مطابق:

''سنت قابلِ تقلید مثال اور لائقِ اتباع چیز کو کہتے ہیں۔''(۴)

جیسا کہ لبید بن ربیعہ کا شعر ہے۔

من مشعر سنه لهم آباؤهم و لكل قوم سنه و اما مها (۵)

''اس سے پہلے اس کے باپ دادا نے زندگی کی عظمت اور مثال قائم کردی۔''

مصطفٰی السباعی کے مطابق:

---

* اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ علوم اسلامیہ،بحریہ کالج کارساز کراچی، پاکستان۔

''(عربی لغت میں) سنّت کے معنی طریق کار اور طرزِ عمل کے ہیں ۔جیسا کہ رسول اللہ نے بھی فرمایا ہے: جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اُسے، اس کا اجر اور قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کا اجروثواب ملے گا اور جس نے غلط رواج قائم کیا تو اُسے اس عمل کا گناہ اور قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ ملے گا۔''(٦)

موسوعۃ الفقہیہ کویت کے مطابق:

''الطریقة والعادة والسیرة ،حمیدة کانت اؤ ذمیمة، ثمه استعملت فی الطریقة المحمودة المستقیمة۔''(٧)

''سنّت کے (لغوی) معنی راستہ، عادت، اچھے یا برے طور طریق کے ہیں، پھر اس لفظ کا استعمال قابلِ تعریف اور درست طریقے کے لیے کیا جانے لگا۔''

معروف عالمِ دین مولانا تقی امینی کے مطابق:

''سنّت کے لغوی معنی مروّجہ طور طریقے کے ہیں۔''(٨)

سُنّت کی اصطلاحی تعریف

اسلامی اصطلاح میں سنت کا لفظ رسول اللہ کی نسبت سے استعمال ہوتا ہے اور سُنت سے مراد حضورِ اکرم کے وہ اقوال، افعال، تقریرات اور آپ ﷺ کے اخلاقِ جلیلہ ہیں جو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کی روشنی میں اختیار فرمائے ۔جب علماء، سنت کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو ان کے یہاں قول وفعل اور تقریر کے علاوہ صحابہ کرام کے اقوال اور افعال بھی مراد ہوتے ہیں۔فقہاء واصولیین اور محدثین کے ہاں سنّت کو اس طرح متعارف کیا گیا ہے:

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے سنّت کے بارے فرمایا:

''حضور کی سنتیں تین طرح کی ہیں، یا تو قرآن میں جو حکم ہے وہی سنت رسول میں بھی ہے، اور قرآن میں کوئی حکم مجمل ہے اور سنت نے اس کو واضح کردیا ہے، یا قرآن مجید اس سلسلہ میں خاموش ہے اور سنت کے ذریعہ اس صورت کا حکم معلوم ہوتا ہے۔''(٩)

مولانا تقی امینی کے مطابق:

''فقہاء کی اصطلاح میں سنّت سے رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال وافعال اور دوسروں کے وہ اقوال وافعال بھی اس بنیاد پر سنّت میں داخل ہیں کہ ان کے پاس اس کے لیے رسول اللہ کی قولی یا فعلی سَنَد موجود ہوگی۔''۔۔۔اس کے بعد آپ بحوالہ نور الانوار لکھتے ہیں؛۔۔۔السنة تطلق علی قول الرسول و فعله و سکوته و علی اقوال

الصحابة و افعالهم۔ یعنی ''سنّت'' کا اطلاق رسول اللہ کے قول وفعل پر آپ ﷺ کے سکوت پر اور صحابہؓ کے اقوال پر ہوتا ہے۔''(۱۰)

صاحبِ ''کشف الاسرار'' نے سنت کی یوں تعریف بیان کی ہے:

"السنة الطريقة المسلوكة فى الدين، من غير افتراضٍ ولا واجب۔" (۱۱)

''سنت سے مراد ایسا طریقۂ جاریہ ہے جو نہ فرض ہو نہ واجب۔''

ابنِ عابدین کے مطابق سنت کی اصطلاحی تعریف ہے:

"ما ثبت بقوله الصلوٰة والسلام او بفعله و ليس بواجب ولا مستحب۔"(۱۲)

''جو (چیز یا بات) رسول اکرم کے قول وفعل سے ثابت ہو اور واجب ومستحب بھی نہ ہو۔''

مصطفٰی السباعی لکھتے ہیں:

"وقد تطلق السنة فى اصطلاح المحدثين ، على مادل عليه دليل شرع سواء كان ذالك فى الكتاب العزيز او عن النبى او اجتهد فيه الصحابه رضى الله عنهم كجمع المصحف ، وحمل الناس على القراء ة بحرف واحدوتدوين الدواوين ويقابل ذلك،،البدعة ، ومنه قوله عليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين من بعدى۔"(۱۳)

''محدثین کے نزدیک ''سنت'' کا اطلاق ہر اس عمل پر ہوتا ہے جو کسی بھی شرعی دلیل سے ثابت ہو، خواہ قرآن مجید میں ہو، یا نبی کریم سے منقول ہو یا صحابہء کرامؓ نے اس میں اجتہاد کیا ہو، جیسا کہ قرآن مجید کی جمع وتدوین یا ایک طریقہ پر (یعنی قریشی لغت کیمطابق) قرآن پڑھنے پر لوگوں کو جمع کرنا یا قانون بندی کرنا ،اس کا مقابل لفظ ''بدعت'' ہے۔ اسی معنی میں لفظ سنت نبی کریم کے اس فرمان میں استعمال ہوا ہے، ''تم پر میری سنت اور میرے بعد میرے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم وضروری ہے۔''

آپ مزید لکھتے ہیں:

" وفى اصطلاح الفقهاء ما ثبت عن النبى من غير افتراض ولا وجوب وتقابل الواجب وغيره من الاحكام الخمسة ، وقد تطلق عندهم على ما يقابل البدعة ، ومنه قولهم۔۔۔ طلاق البدعة كذا ۔۔۔ وطلاق السنة كذا ۔" (١٤)

''فقہاء کی اصطلاح میں سنت سے مراد، ہر وہ حکم ہے جو نبی کریم سے ثابت ہوتا ہو نہ ہی فرض

ہواور نہ ہی واجب ہو ۔ اس معنی کے اعتبار سے سنت کا لفظ، پانچ فقہی احکام میں سے فرض اور واجب کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے،اسی طرح بعض اوقات سنت کا لفظ بدعت کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے،۔۔۔فقہاء کے قول'' طلاق سنت وطلاق بدعت''میں سنت کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔''

امام بزدویؒ کے مطابق:

"ان السنة عندنا قد تقع على سنة نبى عليه السلام و غيره و قال الشافعى مطلقها طريقة النبى۔"(۱۵)

''ہم حنفیوں کے نزدیک سنت کا اطلاق نبی ﷺ کے طریقہ اورآپ ﷺ کے اصحاب کے طریقہ پر بھی ہوتا ہے،اس کے برعکس امام شافعیؒ کے ہاں مطلقاً نبی اکرم ﷺ کے طریقہ پر ہی سنت کا اطلاق ہوتا ہے۔''

مالکی فقہاء کے نزدیک ''سنت'' کی تعریف ہے:

الفعل المطلوب طلبا غير جازم۔(۱۶)

''وہ فعل جس کے کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہو،لیکن مطالبہ غیر حتمی ہو،اس فعل کے انجام دینے پر زور نہ دیا گیا ہو۔''

حنابلہ کی رائے ہے کہ سنت وہ فعل ہے جس کے انجام دینے پر ثواب اور انجام نہ دینے پر کوئی سزا نہیں۔(۱۷)

سنّت کی مختلف اقسام

۱۔ اپنی نوعیتِ بیان کے اعتبار سے رسول اللہ کی سنت تین طرح کی ہے۔

۱۔قولی ۲۔فعلی ۳۔سکوتی یاتقریری

۱۔سنتِ قولی یاقولِ رسول

سُنتِ قولی یاقولِ رسول سے مراد ہروہ لفظ ہے جورسول اللہ کی زبانِ اقدس سے بیداری کی حالت میں بعد ازنبوت قرآن کے علاوہ ادا ہوا ہو(۱۸)۔ایسی خبر یا روایت جس میں آپ ﷺ کے اقوال کا تذکرہ ملے وہ حدیثِ قولی کہلاتی ہے۔مثلاً؛آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَاالاَعمَالُ بِالنِّيَات۔(۱۹)

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

۲۔سُنّتِ فعلی یا فعلِ رسول ﷺ

سنت فعلی میں ایسے افعالِ رسول داخل ہیں جو آپ ﷺ نے اختیار کیے ہوں۔ایسی خبر یا روایت جس میں ایسے امور کا تذکرہ ملے وہ حدیثِ فعلی کہلاتی ہے۔مثلاً حضرت نعمان بن بشیرؓ روایت کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَسوِى صَفُوفَنَا اِذَاقُمنَا اِلَى الصَّلوٰةِ فَاِذَا اَستَوَينَا كَبَّرَ۔(۲۰)

’’جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو رسولؐ اللہ ہماری صفیں درست فرماتے۔جب ہم سیدھے کھڑے ہو جاتے تو اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع فرماتے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ (کے اقوال و افعال) کی اتباع کا حکم دیا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

’’وَاتَّبِعُو هُ لَعَلَّكُم تَهتَدُون‘‘

(نبی) کا اتباع کرو، تا کہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔ (۲۱)

اسی طرح رسول کی ذاتِ اقدس کو عمدہ نمونہ قرار دیا گیا ہے۔جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

’’لَقَد كَانَ لَكُم فِى رَسُولِ اللهِ اُسوَة حَسَنَة۔‘‘(۲۲)

’’تم لوگوں کے لیے رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

۳۔سُنّتِ سکوتی یا سُنّتِ تقریری یا تقریرِ رسول ﷺ

سُنّتِ تقریری سے مراد ایسے امور ہیں جو نبی کریم ﷺ کے سامنے واقع ہوئے ہوں اور آپ ﷺ نے اُن پر خاموشی اختیار فرمائی ہو (یعنی انھیں آپ ﷺ کی تائید حاصل رہی ہو) گویا آپ ﷺ نے ایسے اُمور کی تصدیق کی ہو اور انھیں برقرار رکھا ہو۔ایسی خبر یا روایت جس میں ایسے امور کا تذکرہ ملے وہ حدیثِ سکوتی یا تقریری کہلاتی ہے۔مثلاً حضرت قیس بن عمروؓ کی روایت ہے:

’’رَاىَ النَّبِىُّ ﷺ رَجُلاً يُصَلِّى بَعدَ صَلَاةِ الصُّبحِ رَكعَتَينِ،فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ صَلَاةُ الصُبحِ ركعَتَانِ، فَقَال الرَّجُلُ،اِنِى لَم اَكُن صَلَّيتَ الرَّكعَتَينِ اللَّتَينِ قَبلَهاَ فَصَلَّيتُهُمَا الاٰن فَسَكتَ رسُولُ الله ﷺ۔‘‘(۲۳)

یعنی حضور ﷺ نے کسی چیز کو کرتے ہوئے دیکھا اور اس پر سکوت فرمایا تو یہ اس کے صحیح ہونے پر دلیل ہوگی اور یہ اس بات پر دلالت کرے گا کہ بیان کے موقع پر سکوت حقیقی بیان ہی ہے، علامہ شوکانیؒ نے سنتِ سکوتی کے بارے میں لکھا ہے:

’’سنت سکوتی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے کچھ کہا گیا، یا آپؐ کے زمانے میں کہا گیا اور آپؐ

کومعلوم ہوا مگراس پر خاموش رہے اور گرفت نہیں کی ، اسی طرح آپؐ کے سامنے یا آپؐ کے عہد میں کوئی عمل کیا گیا اور آپ تک اس کی خبر پہنچی مگر آپؐ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی تو یہ آپ ﷺ کی طرف سے جواز پر محمول ہوگا۔''(۲۴)

مثلاً غزوہ بنی قریظہ کے موقع پر جب صحابہ کرام نے عصر کی نماز کے سلسلے میں اجتہاد کیا تھا جب کہ آپ کا حکم تھا :

" لَایُصَلِیَنَّ ا حَد اَلعَصرالَّافِی بَنیِ قُرِیظَۃَ"(۲۵)۔

''تم میں سے کوئی شخص نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں جا کر''۔

چنانچہ بعض صحابہ نے اس کو حقیقت پر محمول کیا اور انھوں نے مغرب کی نماز کو مؤخر کیا اور بنوقریظہ پہنچ کر نماز ادا کی، جب کہ دوسرے بعض صحابہ نے یہ سمجھا کہ اس حکم سے رسول اللہ کی مراد جلدی جانے پر ترغیب دینا ہے ،تو انھوں نے راستہ ہی میں بروقت نماز پڑھ لی، جب حضور ﷺ کو دونوں فریقوں کے اس اجتہادی عمل کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی اور کسی پر نکیر نہیں کی۔(۲۶)

۴۔ سنّتِ متوارث اور سنّتِ غیر متوارث

ا۔سنّتِ متوارث

اس سے مراد رسولِ اکرم ﷺ کے ایسے افعال وطُرق ہیں جو عبادات مثلاً؛ نماز۔روزہ،زکوٰۃ اور حج وغیرہ سے متعلق ہیں اور حضور ﷺ کے زمانے سے لیکر اب تک مسلسل اُمت کے تعامل میں ہیں۔ان کے جاننے کے لیے کسی ذخیرۂ حدیث کو زیادہ کریدنے کی بھی ضرورت نہیں ، بلکہ یہ خود بخود اُمت کے تاریخی تعامل سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔

۲۔سنّتِ غیر متوارث

اس سے مراد رسولِ اکرم ﷺ کے دیگر تمام اقوال،افعال وسنن جو سنّتِ متوارث کے علاوہ ہیں۔ان کے جاننے کے لیے ذخیرۂ حدیث کو کریدنے اور تاریخی ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔

سنّت کی تقسیم کی بحث میں یہ تقسیم،جسٹس ایس اے رحمٰن کی طرف سے سامنے لائی گئی تھی۔جو انھوں نے ماہنامہ ترجمان القرآن کے صفحات میں پروفیسر عبدالحمید صدیقی سے مراسلت (۲۷) میں ذکر کی تھی۔

۵۔ سنتِ عین اور سنتِ کفایہ:(۲۸)

ا۔اسنتِ عین ۲۔سنتِ کفایہ

ا۔سنتِ عین

اس سے مراد ایسا مسنون عمل ہے جو ہر مکلّف کے لیے لازم ہو اور اس سے تعمیل کا مطالبہ کیا گیا ہو۔

"ما یسن لکل واحد من المکلفین بعینه۔

''تمام مکلفین سے بعینہ کسی مسنون عمل کی بجا آوری۔''

یعنی ہر مکلّف کو یہ عمل الگ الگ ادا کرنا ہوتا ہے اور کسی اور کے ادا کرنے سے یہ سنت ادا نہیں ہو گی۔مثال کے طور پر رمضان کے مہینے میں تراویح کی نماز، یہ کسی اور کے ادا کرنے سے کسی دوسرے پر ساقط نہیں ہوگی بلکہ ہر ایک مکلّف الگ سے اپنی اس نماز کا خود ذمہ دار ہے۔

٢۔سنتِ کفایہ

اس سے مراد ایسے فعلِ مسنون کے ہیں جس کا من حیث المجموع مطالبہ ہو نہ کہ انفرادی طور پر۔اجتماعیت میں سے کسی نے بھی ادا کردیا ہو تو باقی مکلفین پر ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

"حیث طلب الشارع الفعل فقط و لیس من واحد بذاته او من معین و لم یکن الطلب جازما۔"

''یعنی جب شارع کسی فعل کا بالعموم مطالبہ کرے نہ کہ معین طور پر ایک ،ایک شخص پر لازم کیا گیا ہو۔''

جس طرح نمازِ جنازہ، کہ اگر کسی علاقے میں کسی مسلمان کی نمازِ جنازہ کچھ لوگوں نے ادا کردی تو بقیہ پر فریضہ ادا ہو گیا۔امام بیہقیؒ نے **المدخل الکبیر الیٰ السنن الکبریٰ** میں امام شافعیؒ کا ''کفایہ'' کے حوالے سے قول نقل کیا ہے،آپؒ نے فرمایا؛

''جب تک مسلمان ان صفات پر قائم رہے،یعنی کچھ لوگوں نے تفقہ اختیار کیا۔کچھ جنازوں میں شامل ہوتے رہے۔کچھ نے جہاد میں شرکت کی اور بعض نے سلام کا جواب دیا اور باقی الگ رہے ،تو وہ ہر معاملہ میں حصہ لینے والوں کی فضیلت کو پہنچاتے رہے اور اپنی کوتاہیوں کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ جانتے تھے کہ یہ لوگ ''کفایہ'' پر کاربند ہیں۔''

٦۔افعالِ نبی کی نوعیّتوں اور اُن کے حُکم کے اعتبار سے سُنّت کی تقسیم

علماءِ اصول کے مطابق حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جُملہ افعال و اعمال/سُنن ۔(جن کی خبر ہمیں احادیث سے ملتی ہے) کی تین حیثیتیں یا نوعیتیں ہیں:

۱۔ اُمورمتعلقہ خصائصِ نبی ﷺ (سُنتِ مخصوصہ):

(ا)۔ وہ اعمال جو خاص طور پر آپ ﷺ کے لئے مخصوص تھے۔مثلاً بیک وقت چار سے زیادہ بیویوں سے نکاح،صومِ وِصال وغیرہ۔ایسا آپ ﷺ کے لئے جائز اور ہمارے لئے حرام ہے۔

(ب)۔ وہ اعمال جو آپ ﷺ کے لئے لازم اور ہمارے لئے مسنون ومباح ہیں۔مثلاً تہجّد کی نماز۔

۲۔ تشریعی اعمال واحکام (سُنّتِ تشریعی):

یہ وہ افعال ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ اور حقوق العباد اور اخلاقی ضابطوں سے ہے اور جن سے احکامِ الٰہی کا بیان اور وضاحت مقصود ہوتی ہے اور دراصل جس غرض کے لئے اللہ تعالٰی نے آپؐ کو نبی و رسول کی حیثیت سے مبعوث فرمایا تھا۔ان سب افعال واعمال کی اتباع اور اطاعت اُمت پر فرض ہے۔یہی دراصل آپؐ کی سُنّتِ تشریعی ہے،جس کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

۳۔ حیاتِ انسانی سے متعلقہ اور طبعی اُمور (سُنتِ ذاتی یا سنن زوائد):

اس سے مراد وہ امور ہیں جن کا تعلق حضورِ اکرم ﷺ کے اپنی ذاتی ذوق،طرزِ عمل (۲۹) اور اپنی ذاتی پسند و ناپسند سے تھا۔ یہ وہ افعال و اعمال ہیں جن کا تعلق خالصتاً شخصی آزادی اور انسانی مزاج وطبیعت سے ہوا کرتا ہے۔ظاہر ہے حضورِ اکرم ﷺ نے ایک مخصوص دور، ماحول اور تمدّن میں رہنے والے انسان کی حیثیت سے ایک ذاتی مزاج،پسند و ناپسند اور طبیعت کے اعتبار سے کوئی طرزِ عمل اختیار فرمایا تھا۔آپ ﷺ کے اس طرح کے افعال کی پابندی اُمت پر فرض نہیں۔یہ اعمال مباح کے زُمرے میں ہیں۔مثلاً نشست و برخاست،خورد ونوش، چلنا پھرنا،لباس کی مخصوص تراش خراش،جسمانی وضع قطع وغیرہ۔ان معاملات میں آپ ﷺ کا اور آپؐ کے وقت اور علاقے کے دیگر لوگوں حتٰی کہ آپ ﷺ کے مخالفین تک کا طرزِ عمل ایک ہی تھا۔لہٰذا یہ پھر کس کی سُنت ہوگا؟ اسی طرح فی زمانہ بسوں،کاروں کی سواری،گھڑی کا استعمال،اور نت نئے مشروبات کا استعمال وغیرہ۔یہ اور اس قسم کے افعال سب طبعی میلانات ورجحانات کے زیرِ اثر افعال ہیں نہ کہ شرعی۔

حضور ﷺ کی ایک حیثیت بطورِ انسان تھی۔اس لحاظ سے حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتی پسند و ناپسند،افرادِ امت پر لازم نہیں تھی۔حضور کی حیاتِ مبارکہ سے بہت سی مثالیں ملتی ہیں جہاں آپ ﷺ نے اس چیز کو پیشِ نظر رکھا۔چند مثالیں پیشِ نظر ہیں:

فتح مکہ کے موقع پر ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنے چند صحابہؓ کے ساتھ دستر خوان پر تشریف فرما تھے تو ضب (گوہ) کا گوشت (۳۰) بھی دستر خوان پر لایا گیا۔آپ ﷺ نے ذاتی طور پر اسے ناپسند کیا اور فرمایا:''لم

یکن بارضِ قومی،فا نی اجدنی اعافه۔۔۔یہ چیز میرے علاقے میں رائج نہیں اس لیے میں اس کو ذاتی طور پر پسند نہیں کرتا۔'' دستر خوان پر آپ کے ساتھ حضرت خالد بن ولیدؓ بھی موجود تھے ،انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں کھا لوں؟ تو آپ ﷺ نے پلیٹ انھیں دے دی۔حال آنکہ وہ حضور اکرم ﷺ کے محولہ بالا کلمات بھی سن چکے تھے یہ گوشت تناول فرمایا،جیسا کہ حضور نے خود ہی انھیں اپنے دستِ مبارک سے ہی دیا تھا۔(۳۱) اس سے معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم ﷺ کا بطورِ انسان اپنا ذاتی ایک ذوق اور پسند ناپسند رکھتے تھے مگر اہلِ ایمان پر آپ ﷺ کی ''ذاتیات'' کو لازم نہیں کیا گیا۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ:

ایک دفعہ رسول اللہ ایسے گروہ کے پاس سے گزرے جو نَر کھجور کا گودا مادہ کھجور میں ڈال رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضورِ اکرم ﷺ نے پوچھا'' یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟''لوگوں نے بتایا کہ نَر کھجور کا گودا مادہ کھجور میں ڈال رہے ہیں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا:''اگر ایسا نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔''تو ان لوگوں کو حضور کے اس ارشاد کی خبر دی گئی تو اُنھوں نے یہ عمل ترک کر دیا۔لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس بار کھجوریں اچھی نہ ہوئیں۔جب اس بات کا حضور ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا؛

> ”انما انا بشر اذا اُمرتکم بشئ من رأیی فانما انا بشر۔انتم اعلم بامور دنیاکم۔(۳۲)
>
> ''...یعنی میں بھی انسان ہوں ؛ جب میں تمھیں دین کے بارے میں کوئی حکم دوں تو تم اس پر عمل کرو اور جب میں (دنیاوی امور میں) اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو میں بھی انسان ہوں ،اور تم اپنے دنیاوی معاملات کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہو۔''

اسی طرح غزوۂ حنین و اوطاس میں مؤلفۃ القلوب کو مالِ غنیمت دینے کا معاملہ ہو یا صلح حدیبیہ کے معاہدے سے چودہ سو مہاجرین و انصار صحابہ کی ناراضی کا معاملہ۔حضرتِ علیؓ کی طرف سے معاہدۂ حدیبیہ میں لفظ ''رسول االلہ'' کو حضور کے کہنے کے باوجود نہ مٹانے کا معاملہ ہو یا سیدنا عمرؓ کا حضورِ اکرم ﷺ کی طرف سے آپؓ کو بطورِ سفیر مکہ مقرر کرنے کے باوجود آپؓ کا جانے سے عذر و انکار کا مسئلہ۔سیدنا اسامہ بن زیدؓ کو امیرِ لشکر بنائے جانے پر اکابر صحابہؓ کے اعتراض کا معاملہ ہو یا جنابِ مغیثؓ کے سیدہ بریرہؓ سے محبت ہو جانے پر رسول اللہ کی طرف سے بریرہؓ کو مغیثؓ سے نکاح کر لینے کے لیے کہنے کے باوجود سیدہ بریرہؓ کے انکار کا مسئلہ ہو۔اسی طرح حضورِ اکرم ﷺ کی طرف سے حضرتِ عمرؓ کو ''لا الہ الا اللہ'' کہنے والے کے لیے دخولِ جنّت کی بشارت سب کو سنا دینے کا فرمان اور حضرتِ عمرؓ کی طرف سے مصلحتاً ایسا کرنے کی مخالفت اور آپ ﷺ کی طرف سے قبولیت ہو یا قرآن میں مذکورہ

حضورِ اکرم ﷺ کی طرف سے حضرت زید بن حارثہؓ کو حضرت زینبؓ کو طلاق نہ دینے کا فرمان اور اس کے باوجود ان کی طرف سے طلاق دے دینے کا معاملہ ہو، ان تمام معاملات میں صحابہ کرامؓ نے حضور سے اختلاف کیا اور اس کے برعکس طرزِ عمل اختیار فرمایا، اس کے باوجود یہ سب اصحابِ رسول اللہ لائقِ صد احترام اور معتبر رہے۔(۳۳)

مولانا محمد حنیف ندوی نبوت کی تین سطحوں میں سے سطحِ بشری کی وضاحت کرتے ہوئے اس حدیثِ مبارکہ کے تناظر میں لکھتے ہیں:

> ''کیوں کہ نبوّت کا، بہر آئینہ ایک متعین دائرہ ہے۔اس دائرے میں نبی سے بڑھ کر اور کوئی شخص اَعلم یا افضل یقیناً نہیں ہوسکتا۔لیکن زندگی و وجود کے کچھ دائرے یا حلقے بھی ہیں' اور یہ قطعی ضروری نہیں کہ ان سب کے متعلق بھی انبیاء کی رائے اتنی ہی حجیت واستناد کی متقاضی ہو' جتنی کہ امورِ دینی میں۔ جس طرح ایک طبیب کا قول فنِ تعمیر میں اور ایک شاعر کی بات مصوری میں مستند نہیں ہوتی' اس طرح پیغمبر جب دائرہِ بشریت کی بات کرتا ہے یا اس سطح سے متعلق کچھ کہتا ہے تو اِس کے رَدوقبول میں (اُمتی کو) اختیار ہے۔''(۳۴)

پس معلوم ہوا کہ کوئی ایسی نص وسنت جو اجتماعی و دنیاوی معاملات کے برعکس، محض حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتی و بشری زندگی سے متعلق کسی معاملے کی نشاندہی کر رہی ہو تو اُمّت کے لئے اُس پر عمل کرنا لازم نہیں کیا جاسکتا اور اس کے برخلاف کوئی دوسرا مناسب راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔جس طرح رسالت مآب ﷺ نے محولہ بالا حدیث میں خود اجازت مرحمت فرمائی ہے اور ایسا کرنا کوئی معیوب بھی نہیں ہے۔

ظاہر ہے اسلام تا قیامت دینِ ہدایت ہے اور وقت کے تقاضوں سے عہدہ براء ہونے اور انسان کی شخصی آزادی کی حفاظت اسلام کے بُنیادی اصولوں میں سے ہے۔جس کے تحت انسانی زندگی کا ایک دائرہ کھلا رکھا گیا ہے تاکہ وقت اور زمانے کے بدلنے کے ساتھ ساتھ انسان اپنے لئے مناسب رویئے کا انتخاب کر سکے۔اور بالکل لکیر کا فقیر ہی نہ بن جائے۔ہاں یہ ضروری ہے کہ کسی بھی وقت زندگی کے اس شعبہ میں کسی چیز کے انتخاب کے وقت اسلام کی بُنیادی روح کا خیال رکھا جائے۔فرض کریں اگر حضورِ اکرم ﷺ آج کے دور میں ہوتے تو کیا آپ ﷺ جدید دور کی تمام سہولتیں استعمال نہ کرتے اور اللہ کے پیغام کو عام کرنے کے لئے جدید ذرائع استعمال نہ کرتے؟ یقیناً ضرور کرتے۔اور پھر یہ سب کچھ بھی آپ ﷺ کی سُنت میں ہی شمار کیا جاتا۔شریعت کا اُصول ہے۔''ہر چیز اصل میں مباح ہے''۔(۳۵)

یعنی جس چیز کے بارے میں شریعت میں ممانعت نہیں آئی اور وہ اُصولاً جائز ہے۔البتہ جن طبعی اُمور کی پابندی کا شریعت میں واضح حکم دیا گیا ہو اُن پر عمل کرنا لازم ہے۔مثلاً دائیں ہاتھ سے کھانا وغیرہ۔کیونکہ بعض اعمال

کی مخفی حکمتیں ہوتی ہیں۔جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مطلع فرما رکھا تھا۔اور حضورِ اکرم ﷺ نے تاکیداً اُمت کو بتا بھی دیا۔

ایک اہم نکتہ:

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ حدیثِ رسول اور آپ ﷺ کی سنّتِ قولی سے کوئی حکم مستنبط کرتے وقت اُس فرمان و سنّتِ نبوی کا موقع و محل، پسِ منظر اور اسکی عِلّت اور سبب کو جاننا بہت ضروری ہے۔ورنہ استنباطِ حکم میں سخت غلط فہمی کے امکانات رہتے ہیں۔کیونکہ رسول اللہ کے بعض اقوال وافعال زمان ومکاں اور حال وحالت سے منسلک ہیں اور حضورِ اکرم ﷺ کے ہر قول کا اطلاق ہر ایک صورتحال پر نہیں ہوتا۔ جہاں اسکی عِلّت وسبب اور ویسی حالت وصورت پائی جائے گی اُسی معاملے پر اس کا اطلاق بھی ہوگا۔مثلاً تشبہ بالقوم والی حدیث ہو یا پاجامے کی لمبائی کا مسئلہ ہو۔ ہر حدیث کا ہر وقت، اور ہر حالت وصورت میں اطلاق کرنا اصولاً غلط فہمی پر مبنی ہے۔ (احتیاط کے تقاضے اور محبتِ رسول ﷺ کے جذبات اپنی جگہ) یہی وجہ ہے کہ متقدمین علماء کرام نے اسبابِ حدیث پر کتابیں لکھ کر کئی احادیث کے اسبابِ تحدیثِ رسول ﷺ کو واضح کرنے کی کوشش فرمائی ہے مثلاً؛امام جلال الدین سیوطی کی ''اسباب الحدیث''۔(۳۶)

۵۔ سنّت کی بحیثیتِ مصدرِ قانونِ اسلامی، تقسیم

قرآنِ مجید کے بعد چونکہ سنت شریعتِ اسلامیہ کا دوسرا مصدرِ قانون ہے اور خود قرآنِ مجید کے فہم کے لیے بھی سُنّت ناگزیر ہے۔اس لحاظ سے ہمارے نزدیک سنت کی ایک اور تقسیم بھی کی جاسکتی ہے، یعنی قرآنِ مجید کے ساتھ اپنے تعلق کے اعتبار سے بطورِ مصدرِ قانونِ اسلامی، سنت تین طرح کی ہے۔

۱۔مؤیدِ قرآن سنّت ۲۔مبیّنِ قرآن سنت ۳۔زائد از قرآن دائم الحکم سنت

۱۔مؤیّد ومؤکدِ قرآن سنّت

رسول اللہ ﷺ کی ایسی سنت جو قرآنِ مجید کے حکم کی تائید وتاکید کرتی ہے۔جس طرح قرآن مجید سے کسی حکم کی دلالت ہوتی ہے اسی طرح سنت سے بھی حکم کی دلالت ہوتی ہے۔مثلاً حکمِ قرآنی ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔(۳۷)

''اور تم لوگ نہ ہی آپس میں ناجائز طور پر ایک دوسرے کا مال کھاؤ اور نہ ہی حکام کے آگے اس لیے پیش کرو کہ تمھیں جانتے ہوئے دوسرے کا مال ظلم سے کھانے کا موقع مل جائے۔''

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا موافق ومؤیّد حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

لا یحل مال امری مسلم الا بطیب من نفسہ۔(۳۸):

''یہ جائز نہیں کہ کسی مسلمان کا مال اس کی مرضی کے بغیر لے لیا جائے۔''

۲۔مبیّن ومفسرِ قرآن سنت

قرآنِ مجید کے بعض احکام مجمل ہیں اور سنت سے ان کی تفصیل، وضاحت، تخصیص اور تحدید ملتی ہے۔مثلاً: قرآنی حکم ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا۔(۳۹)

''چور مرد و چور عورت، دونوں کا ہاتھ کاٹ دو۔''

سنت سے اس حکم قرآنی کی تخصیص وتحدید اور وضاحت ملتی ہے کہ یہاں ہاتھ سے مراد داہنا ہاتھ ہے۔ابوسلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''جب چور (پہلی بار) چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دو۔پھر (دسری بار) چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دو۔پھر (تیسری بار) چوری کرے تو اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دو۔پھر (چوتھی بار) چوری کرے تو اس کا دایاں پاؤں کاٹ دو۔''(۴۰)

۳۔زائد از قرآن دائم الحکم سنت

قرآنِ مجید میں بعض معاملات میں سکوت ہے اور سنت ایسے معاملات کے متعلق مستقل حکم رکھتی ہے۔مثلاً پھوپھی، بھتیجی اور خالہ بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنے کی حرمت، دادی کی وراثت، شادی شدہ زانی کی سنگساری کا حکم وغیرہ، یہ سب سنت کے مستقل احکام ہیں جو اسلامی قانون کا حصہ ہیں۔

سُنّت کی حجیت واہمیت

قرآن وسنّت ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔صرف قرآن مجید پر اکتفا کرنا اور اس کے فہم میں سنت سے مدد نہ لینا تفہیمِ دین کے لیے ناکافی ہے اور سراسر گمراہی کا باعث ہے۔سنت سے توسط وتمسک انتہائی ضروری ہے۔ارشادِ الٰہی ہے:

''فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ اَمْرِهِ اَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ''۔(۴۱)

''جولوگ امر رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں خائف رہنا چاہیے کہ مبادہ وہ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں یا عذابِ الیم میں گرفتار نہ ہوجائیں۔''

سنت کے علم کا ذریعہ احادیثِ رسول ﷺ ہیں اور فہم قرآن کے لیے حدیث کی تحقیق و اتباع ضروری ہے، خود احادیث میں ایسے بہت سے دلائل موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ صرف کتاب اللہ پر اکتفا کافی نہیں ہے اس کے ساتھ ساتھ سُنّتِ رسول اللہ اور حدیث سے رہنمائی حاصل کرنا از حد ضروری ہے۔ جیسا کہ نبیِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

> ''ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ تم میں سے کوئی شخص مسہری پر تکیہ لگا کر بیٹھے گا اور میری حدیث بیان نے جو کچھ حرام کر دیا وہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ نے حرام کیا ہے۔'' (۴۲)

یعنی احادیث صرف قرآنِ مجید کی تشریح ہی کا ذریعہ نہیں ہیں بلکہ احادیثِ رسول اللہ میں بھی مستقل احکامِ دین بیان ہوئے ہیں جن کی اتباع ضروری ہے۔ احکام اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ جس پر مسلمانوں کا تقریباً اجماع ہے، وہ یا تو سنت سے ماخوذ ہے یا اس کی تشکیل میں سنت کا بہت زیادہ حصہ ہے، مثلاً رضاعت سے حرمت نکاح کا ثبوت یا بیوی کے ساتھ اس کی چچی اور ممانی کو جمع کرنے کی حرمت حدیث پر ہی مبنی ہے۔ (۴۳)

عقلی طور پر بھی یہ واضح ہے کہ خالق کی تعلیمات و احکامات کا منشاء حقیقی طور پر وہی ذات ہی صحیح جانتی ہے جسے براہ راست اس تعلیم سے نوازا گیا۔ اور وہ ذاتِ عالی مقام، رسول اللہ ہی ہیں۔ اس لیے یہ ناممکن ہے کہ اُس ذات سے بری الذمہ ہو کر ہم دینِ متین کو سمجھ سکیں۔ اللہ کے انبیاء و رُسُل ہی اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ و راستہ اور اس کی جانب سے ملنے والی تعلیمات و احکامات کے مبلغ و مفسّر ہیں۔ لہٰذا سنتِ رسول ﷺ کا اتباع ضروری ہے۔

اسی طرح کی رائے امیر بادشاہ نے بھی ظاہر کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''سنت رسول حجت ہونا چاہیے، وہ مفید فرضیت ہو یا وجوب یا کچھ اور ایسی ضرورت دینیہ میں داخل ہے، جس کا علم بالبداہت ہر اُس شخص کو حاصل ہے جو صاحبِ عقل و تمیز ہو، یہاں تک کہ عورتیں اور بچے بھی اس باب کو جانتے ہیں کہ جس کی نبوت ثابت ہے وہ اللہ کی طرف سے جو خبر دیتا ہے اس میں وہ سچا ہے اور اس کی اتباع واجب ہے۔ (۴۴)

سُنّتِ رسول ﷺ کی قرآنی بنیادیں

اسلامی شریعت میں سُنت کی حجیت کو جاننے کے لئے خود رسولِ خدا کی مختلف حیثیتوں کو سمجھنا پڑے گا جو قرآنِ مجید نے واضح کرتے ہوئے سنّتِ رسول اللہ کی مستحکم بنیادوں کے طور پر متعین کی ہیں؛ مثلاً:

۱: رسولِ اکرم ﷺ اُمت کے لئے مطاع ہیں اور آپ ﷺ کی اطاعت ہر شخص پر واجب ہے۔

''اللہ کی اطاعت کرو اور اسکے رسول کی اطاعت کرو۔'' (۴۵)

صاحبِ ''اعلام الموقعین'' کے مطابق؛ رسول ﷺ کی اطاعت مستقل واجب کی کہ جیسے کہ خود اپنے احکام کی۔ بلکہ آپ ﷺ کا ہر حکم واجب التعمیل ہے خواہ وہ حکم کلام اللہ میں ہو یا نہ ہو۔''(۴۶)

۲: رسول،اللہ کی حیثیت ہادی اور امام کی ہے،اور اس حیثیت اُن کی اطاعت لازم ہے۔(۴۷)

۳: اللہ کے رسولؐ کا مقام یہ ہے کہ ہر اختلاف میں آپؐ کو فیصلہ ساز ماننا اور دل و جان سے آپؐ کے فیصلے کو قبول کرنا تمام اہلِ ایمان پر فرض ہے، بلکہ ،شرطِ ایمان ہے۔(۴۸)

۴: اللہ کے ساتھ ساتھ رسول اللہ کی اطاعت بھی کامیابی کے لئے از حد ضروری ہے۔(۴۹)

۵: اللہ کے رسولؐ کا مقام یہ ہے کہ آپؐ کی ہر بات ماننا ضروری ہے۔(۵۰)

۶: ایک بندۂ مومن پر رسول اللہ کا حق اپنی جان سے بھی زیادہ ہے۔(۵۱)

اسی بات کو خود نبیِ اکرمؐ نے یوُں بیان کیا:

لَا یُو مِنُ اَحَدُکُم حَتّٰی اَحَبَّ اِلَیہِ مِن وَالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَ النَّاسِ اَجمَعِین۔(۵۲)

''تم میں سے اُس وقت تک کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں(رسول اللہ)اس کے نزدیک اپنے والد، اولاد حتّٰی کہ سارے انسانوں سے زیادہ محبوب نہ جاؤں۔''

۷: اللہ تعالٰی کی رضا مندی وخوشنودی کے حصول کے ساتھ ساتھ رسولؐ کی خوشنودی کا حصول بھی ضروری بلکہ شرطِ ایمان ہے۔(۵۳)

۸: رسول اللہ کی حیاتِ کاملہ کو انسانوں لئے نمونۂ تقلید قرار دیا گیا ہے۔(۵۴)

''بتحقیق تمھارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔اُس کے لئے جو اُمید رکھتا ہے اللہ کی اور یومِ قیامت کی اور یاد کرتا اللہ کو بہت زیادہ۔''

۹: قرآنِ مجید میں رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے۔(۵۵)

حجیتِ سنت اور آحادیثِ رسول ﷺ

سُنّتِ رسول اللہ کے دینِ اسلام میں مقام و مرتبے کے حوالے سے خود رسول اللہ کے اپنے فرامین سے یوں راہنمائی ملتی ہے: آپ ﷺ کے ارشاداتِ اقدس ہیں:

☆ ''۔۔۔**فَعَلَیکُم بِسُنَّتِی**۔۔۔''۔(۵۶)

''تمہارے لیے میری سنت لازم ہے۔''

☆ ''**تَرَکتُ فِیکم اَمرَینِ لَن تَضِلُّوا مَاتَمَسَّکتُم بِھِمَا کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ رَسُولہ**۔''(۵۷)

''میں تمہارے درمیان دو چیزوں کو چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ہے۔''

☆ ''اَلَا وَاِنِّی اُوتِیتُ القُرآنَ وَمِثلَهٗ مَعَهٗ''۔ (۵۸)

''یاد رکھو! مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے ساتھ اسی جیسی ایک چیز۔''

☆ ''خُذُوا عَنِّی مَنَاسِکَکُم۔'' (۵۹)

''حج کے ارکان مجھ سے سیکھو۔''

سُنّتِ رسول ﷺ بھی کتاب اللہ ہی ہے

جہاں قرآنِ مجید کو ''کتاب اللہ'' کہا گیا ہے، وہاں سنت و حدیثِ رسول پر بھی ''کتاب اللہ'' کا اطلاق ہوتا ہے ۔کتاب اللہ سے مراد لغت کی کتب میں'' فرائض اور حکم''ہیں۔ (۶۰) اور احادیث صحیحہ میں بھی فرائض و احکام بیان ہوئے ہیں۔ اس لیے سنت و حدیث کو بھی کتاب اللہ ہی کہا جا سکتا ہے۔جیسا کہ خود قرآنِ مجید میں واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللّٰهِ اثنَا عَشَرَ شَهرًا فِی کِتٰبِ اللّٰهِ یَومَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ مِنهَا اَربَعَة حُرُم ۔'' (۶۱)

''مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ (مہینوں) کی ہے۔اسی دن سے جب آسمان اور زمین کو پیدا کیا ان میں چار حرمت اور ادب کے ہیں۔''

محولہ بالا آیتِ کریمہ کے مطابق کتاب اللہ میں بارہ مہینوں کی گنتی بتائی گئی ہے، ظاہر ہے کہ اگر کتاب اللہ سے مراد اگر صرف قرآن مجید ہی ہے تو اس میں بارہ ماہ اور ساتھ حرمت والے چار مہینوں کی تفصیل بھی لازمی ہونی چاہیے۔لیکن قرآن مجید سے نہ ہی بارہ مہینوں کی گنتی اور نہ ہی حرمت والے چار ماہ کی کوئی تفصیل ملتی ہے ۔اس کی تفصیل تو رسول اللہ ﷺ نے واضح کی ہے۔(۶۲)

خود رسول اللہ نے بھی اپنی احادیث کو کتاب اللہ قرار دیا ہے،''واقعہ عسیف'' (بمعنی مزدوری) احادیث کی کتب میں مشہور ہے۔ ۔مختصراً یہ کہ دو گروہ اپنا معاملہ رسول اللہ کے سامنے لیکر آئے اور ایک شخص نے رسول اللہ سے کہا میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کر دیجیے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس پروردگار کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اور جس کا ذکر بلند ہے! میں تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔سو بکریاں اور غلام (جو تو نے دیئے) تجھے واپس ہوں

گے اور تیرے بیٹے کی سزا سو کوڑے ہوں گے اور ایک سال کی جلا وطنی ، اور اے انیسؓ کل صبح اس عورت کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اسے رجم کر دو۔ چنانچہ صبح انیسؓ اس کے پاس گئے ،اس نے اعتراف کیا تو انیسؓ نے اسے رجم کر دیا۔'' (۶۳)

محولہ بالا حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حدیث بھی کتاب اللہ ہے ، کیونکہ جو حکم رسول اللہ نے جاری فرمایا ، یہ حکمِ رجم ،قرآن میں موجود نہیں۔مگر یہ صرف احادیث میں موجود ہے اور رسول اللہ نے قسم کھا کر یہ فیصلہ فرمایا کہ میں تم میں کتاب اللہ سے ضرور فیصلہ کروں گا۔

امام ابو جعفر الطحاویؒ نے اس فرمانِ رسول کے بارے میں فرمایا:

''کتاب اللہ سے رسول اللہ نے اللہ کا حکم مراد لیا ہے۔اگر چہ وہ حکم کتاب اللہ میں صراحت سے مذکور نہیں ہے، لیکن ہم نے رسول اللہ کا حکم کتاب اللہ کے ساتھ قبول کیا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے ''جو کچھ رسول تمہیں دے تو وہ لے لو اور جس سے تمہیں منع کرے تو باز آجاؤ۔'' لہٰذا جب وہ (اطاعتِ رسول) کتاب اللہ کی وجہ سے ہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قبول کرنا بھی واجب ہوا۔یقیناً رسول اللہ کا ہر فیصلہ جو آپ نے صادر فرمایا وہ کتاب اللہ کے ساتھ ہے ، اگر چہ وہ حکم کتاب اللہ میں واضح طور پر مذکور نہ بھی ہو۔'' (۶۴)

رسول اللہ کا اپنا فرمان بھی ہے:

"۔۔۔الا و انی واللہ و قد امرت و وعظت و نہیت عن اشیاء انہا لمثل القرآنِ أو اکثر۔۔۔"(بروایت عرباض ابن ساریہؓ) (۶۵)

''۔۔۔اللہ کی قسم! بلا شبہ خبردار! میں نے بعض کاموں کا حکم دیا ہے اور نصیحت کی ہے اور بعض چیزوں سے روکا ہے، وہ قرآن پاک کی مانند ہے بلکہ اس سے زیادہ ہے۔۔۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ صحابہ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"ان اللہ بعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالحق وانزل علیه الکتب فکان مما انزل اللہ اٰیة الرجم فقرانا ها وعقلناها ووعیناها۔رجم رسول اللہ ورجمنا بعدہ فاخشیٰ ان طال بالناس ذمان ان یقول قائل واللہ ما نجد اٰیة الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترك فریضة انزلها اللہ والرجم فی کتاب اللہ حق علی من ذنٰی اذا احصن من الرجال والنساء "(۶۶)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل کی اور جو کچھ اللہ

نے نازل فرمایا اس میں آیت رجم بھی ہے۔ہم نے اسے پڑھا، سمجھا اور محفوظ کیا۔ رسول اللہؐ نے رَجم کیا اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی رَجم کیا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ ایک طویل عرصے کے بعد کہنے والا یہ نہ کہے کہ ہم رَجم کی آیت کو کتاب اللہ میں نہیں پاتے۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے اس فریضے کو جس سے اللہ نے نازل فرمایا ہے چھوڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں اور رَجم کی سزا اللہ کی کتاب میں برحق ہے اس مرد عورت کے لیے جو شادی شدہ ہو کر زنا کرے۔"

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہؓ کے سامنے جو مذکورہ بالا خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے احادیث کو کتاب اللہ قرار دیا اور رَجم کے بارے میں فرمایا کہ یہ حکم قرآن مجید میں کہیں موجود نہیں ہے، لیکن ہم کتاب اللہ میں پاتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہ اعتقاد تھا کہ قرآنِ مجید کے علاوہ احادیثِ وسنت بھی کتاب اللہ ہی ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپؓ نے صحابہؓ سے خطاب میں اعلانیہ حدیث کو بھی "کتاب اللہ" قرار دیا۔ جب کہ اصحابؓ میں سے کسی صحابیؓ نے آپؓ کے اس اُدعا کا انکار نہیں کیا۔یقیناً یہ بات، صحابہ ؓ کے ہاں مجمع علیہ ہے۔

خلفاءِ راشدین ؓ کا حدیث وسنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے طرزِ عمل

اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنّت وحدیث کے سخت پابند تھے۔مثلاً:

۱۔حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حدیث وسنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوبکر صدیق کے سامنے جب کوئی قانونی مسئلہ آتا تو پہلے وہ قرآن حکیم میں اس کا حل تلاش کرتے، اگر وہاں نہ ملتا تو سنت کی طرف رجوع کرتے، اگر سنت میں بھی نہ ملتا تو لوگوں سے دریافت کرتے کہ اس معاملے میں رسول اللہ کے فیصلے کا کسی کو علم ہے؟ بسا اوقات صحابہ میں کچھ لوگ بتا دیتے کہ رسول اللہ نے اس معاملے میں یہ فیصلہ فرمایا ہے۔۔۔صدیق اکبرؓ سنت سے سَنَد ملنے پر خوش ہو کر فرماتے تھے؛الحمد لله الذى جعل فينا من يحفظ عن سنن نبينا۔" (۶۷)

اسی طرح دورِ صدیقی کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دادی پوتے کی میراث کا مطالبہ لے کر آئی جس کی ماں مر چکی تھی، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا میں کتاب اللہ میں ایسا کوئی حکم نہیں پاتا جس کی رُو سے تجھے ماں کا حصہ پہنچتا ہو، پھر انھوں نے لوگوں سے پوچھا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس معاملے میں کوئی حکم نہیں دیا اس پر مغیرہ بن شعبہؓ اور محمد بن سلمہؓ نے شہادت دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو ایسی صورت میں چھٹا حصہ دیا ہے۔ چنانچہ حضرتِ صدیقِ اکبرؓ نے سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کر دیا۔(۶۸)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انتہائی نازک مواقع پر بظاہر بڑے اہم مصالح و اغراض کو نظر انداز کر کے حضور اکرم ﷺ کے فیصلوں اور سنت کو نافذ Impliment کیا جس کی ایک نمایاں مثال لشکرِ اسامہ کی سربراہی کا معاملہ بھی ہے، کہ آپؓ نے کئی اکابر صحابہ کی تجویز کے باوجود حضور اکرم ﷺ کے مقرر کردہ نوجوان صحابی اسامہ بن زیدؓ کو ہی سربراہی پر برقرار رکھا۔(۶۹)

۲۔حضرت عمرؓ اور حدیث وسنّتِ رسول ﷺ

حضرت عمرؓ کے دور میں جب مجوسیوں سے جزیہ لینے کا مسئلہ پیدا ہوا تو آپ اس سلسلے میں متردد ہوئے کہ کیا کیا جائے؟۔ چنانچہ عبدالرحمان بن عوفؓ نے اس حوالے سے رسول اللہ کی حدیث آپ کو بیان کی تو آپؓ کا تردد ختم ہوا اور آپ نے پورے اطمینان کے ساتھ جزیہ لینے کا فیصلہ صادر فرما دیا۔امام غزالیؒ نے اسے یوں نقل کیا ہے:

"قال عمر ما ادری ما اضع بالمجوس و لیسوا اھل الکتابِ ،فقالَ عبدالرحمٰنِ بنُ عوفٍ سمعتُ رسول الله ﷺ یقولُ سُنُّوا بِھم سُنَّة اھل الکتاب۔"(۷۰)

اسی طرح ایک بار حضرت عمر فاروقؓ نے ایک بار دورانِ حج خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے جب حجرِ اسود کا بوسہ لیا تو فرمایا:

"وَاِنِّی اَعلَمُ اَنکَ حَجر وَاَنّکَ لَاتَضرُّ وَلَاتنفعُ وَلَولَا اَنّنی رَاَیتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلّی اللّٰہُ عَلَیہ وَسَلَّم قَبّلَکَ مَاقَبَّلکتُ"۔ (۷۱)

''میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے، اگر میں نے اپنے حبیب رسول اللہ کو تیرا بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے نہ چومتا۔''

حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد اس بات کا عکاس ہے کہ آپ ﷺ کا فعل حجت ہے، اسی لیے تو حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کے فعل سے استدلال کرتے ہوئے حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔

۳۔حضرت عثمان وحضرتِ علیؓ اور حدیث وسنّتِ رسول ﷺ سے تمسک

مسندِ احمد میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی وابستگیِ حدیث وسنت کا ایک واقعہ مذکور ہے جو مختصراً یوں ہے کہ ایک بار حضرت عثمانؓ دیگر مسلمانوں کے ہمراہ جن میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے، احرام باندھ کر سفر حج پر نکلے اور قُدَید کے مقام پر پہنچے تو کھانے کے وقت دسترخوان پر چکور کا تلا ہوا گوشت پیش کیا گیا۔حضرت علیؓ کی طرف سے آپؓ کو بتایا گیا کہ حالتِ احرام میں یہ گوشت ہم استعمال نہیں کر سکتے۔جس پر آپؓ نے اپنی اس رائے کا اظہار کیا کہ چکور کے شکار کا نہ ہی ہم نے حکم دیا ہے اور نہ ہی ہم نے خود شکار کیا ہے لہٰذا اس گوشت کو کھا لینے میں کوئی حرج نہیں۔تو حضرت علیؓ نے

آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے مطلع کیا کہ ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بحالتِ احرام گورکر کی ران پیش کی گئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ہم لوگ احرام کی حالت میں ہیں، چاہیے کہ یہ گوشت انھیں کھلایا جائے جو احرام سے نہ ہوں۔ چنانچہ حضور کا یہ قول وعمل سنتے ہی آپؓ نے وہ گوشت تناول فرمانے کا ارادہ ترک کردیا۔(۷۲)

اسی طرح ایک بار جحفہ میں حضرت عثمانؓ کے سامنے حجِ تمتع (۷۳) کا ذِکر ہوا تو آپؓ نے فرمایا تم حج کے مہینوں میں خالص حج ہی کیا کرو کاش کہ تم عمرے کو پیچھے کر دیتے کہ تمھیں دو دفعہ بیت اللہ شریف کی زیارت نصیب ہوتی تو کتنی بڑی فضیلت حاصل ہوتی۔ یہ بات سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا؛ آپ ایک سنّت کی طرف قصد کر رہے ہیں (یعنی حجِ تمتع مسنون ہے) اور اللہ تعالیٰ نے جو رخصت اپنے بندوں کو اپنی کتاب میں دے رکھی تھی آپ ان پر تنگی کر رہے ہیں اور اس سے روک رہے ہیں، حاجت والوں اور دور دراز والوں کے لیے یہ ہے اور پھر فرمایا لبیک میں حج اور عمرے کا ایک ساتھ احرام باندھتا ہوں۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ لوگوں کے مجمع میں آئے اور فرمایا؛ کیا میں نے تمھیں تمتع سے روکا ہے؟ سنو میں ہرگز نہیں روکتا وہ تو میں نے اپنی رائے کی طرف اشارہ کیا تھا جو چاہے مان لے جو چاہے شوق سے چھوڑ دے۔'' (۷۴)

یہاں پر اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں خلفاءِ راشدین کا طرزِ عمل سنت کے بارے میں ایک ہی ہے۔ حضرت علیؓ نے اگر تمسک بالسنّت کا مظاہرہ کیا ہے تو حضرتِ عثمانؓ نے بھی سنت کے مقابلے میں اپنی رائے کو اہمیت نہیں دی۔

دیگر اصحابِ رسول اور حدیث وسنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تمسک

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک بار ایک حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو گودنا کراتی یا کرتی ہیں اور ان پر جو چہرے کے بال اکھڑواتی ہیں اور حسین بننے کے لیے دانتوں کے درمیان دراڑ پیدا کر کے اللہ کی تخلیق میں تغیر کرتی ہیں، اس حدیث کو بنواسد کی ایک عورت نے سنا تو حضرت عبداللہ بن مسعود سے کہا آپ کی یہ روایت مجھ تک پہنچی ہے اور معلوم ہوا کہ آپ فلاں فلاں قسم کی عورتوں پر لعنت کرتے ہیں، حضرت عبداللہ نے کہا میں اس پر کیسے لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ نے لعنت کی ہے اور جو کتاب اللہ میں موجود ہے، اُس عورت نے کہا میں نے بھی قرآن پڑھا ہے لیکن مجھے تو اس میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی، اس پر حضرت عبداللہؓ نے کہا۔'اگر تو نے غور سے پڑھا ہوتا تو ضرور نظر آتی، کیا اللہ نے نہیں فرمایا؟ ''مَا آتَاکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَانَهَاکُم عَنهُ فَانتهوا۔'' (۷۵)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا:

''جس نے ایسی رائے نکالی جو نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ سنت رسول اللہ میں، میں نہیں کہہ سکتا کہ خدا کے ہاں اس کا کیا حال ہوگا؟ فرماتے ہیں دین تو صرف قرآن و حدیث میں ہی ہے۔اب کوئی شخص اپنی رائے سے کچھ کہہ دے میں یہ نہیں جان سکتا کہ اس کی نیکیوں کے دفتر میں لکھا جائے گا یا برائیوں کے؟''(۷۶)

فقہائے اَربعہ اور حدیث وسنّتِ رسول ﷺ سے تمسک

امام ابوحنیفہؒ اور تمسک بالسنّۃ

آپؒ نے فرمایا:

۱۔ لو لا اسنن ما فهم احد منا القران۔ ''اگر سنتیں نہ ہوتیں تو ہم میں سے کوئی قرآن مجید کو نہ سمجھ سکتا۔''

۲۔ ''لم تزل الناس فی صلاح ما دام منهم من يطلب الحديث فاذ اطلبوا العلم بلا حديث فسدوا۔''

''لوگ اس وقت تک خیر و صلاح میں رہیں گے جب تک ان میں حدیث کے طالب موجود رہیں گے اور جب وہ بغیر حدیث کی علم حاصل کریں گے تو فساد اور بگاڑ میں مبتلا ہو جائیں گے۔''(۷۷)

امام شافعیؒ اور تمسک بالسنّۃ

آپؒ نے فرمایا:

''اجمع المسلمون على ان من استبان له سنة عن رسول الله لم يحل له ان يدعها بقول احد۔''(۷۸)

''مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب کسی پر رسول اللہ کی سنت واضح ہو جائے تو پھر اس کے لیے کسی کے قول کی وجہ سے اس کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔''

امام مالکؒ اور تمسک بالسنّۃ

آپ فرماتے ہیں:

''كل ما وافق الكتاب والسنة فخذوه و كل ما لم لوافقه والسنة فاتر كوه۔'' (۷۹)

''ہر وہ چیز جو کتاب وسنت کے موافق ہو اسے قبول کرلو اور جو مخالف ہو اسے چھوڑ دو۔''

امام احمد بن حنبلؒ اور تمسک بالسنّۃ

آپؒ نے فرمایا:

''من رد حديث رسول الله فهو على شفا هلكة۔'' (۸۰)

''جس نے رسول اللہ کی حدیث کو رد کر دیا وہ ہلاکت کے کنارے پر آ گیا۔''

احادیثِ احکام

سنّت چونکہ اسلامی قانون کا دوسرا ماٗخذ و مصدر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت معلوم کرنے کا بڑا ذریعہ احادیث رسول ہیں جو ہزاروں کی تعداد میں کتب احادیث میں موجود ہیں ۔احادیث کے اس ذخیرے میں سے احادیثِ احکام کی تعداد کم ہے جوتقریباً آٹھ ہزار کے لگ بھگ ہیں۔بقول علامہ رازی(۸۱)وغزالی(۸۲)وہ غیرمحدود بھی نہیں ہیں۔بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ایسی احادیث کی تعداد تین ہزار(۸۳) ہے۔

جس طرح آیاتِ احکام اسلامی قانون کی بنیاد ہیں اسی طرح احادیثِ احکام بھی اسلامی قانون کی بنیاد ہیں۔علماء کرام نے احادیثِ احکام کو جمع کرنے کی بھر پور کوشش کی ہے اور کئی کتابیں تیار کرکے امتِ مسلمہ کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ بقول مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اس سلسلے میں سب سے نمایاں اوراہم کام مولانا ظفرعثمانیؒ کا بصورتِ''اعلاء السنن'' ہےجس میں۶۱۲۲ احادیثِ احکام کوآپ نے جمع کیا ہے۔(۸۴)اس کے علاوہ عبدالغنی مقدسی کی''الاحکام''اور''عمدۃ الاحکام من سید الانام''،حافظ ابن حجرعسقلانی کی''بلوغ المرام من ادلّة الاحکام''اورعلامہ ظہیراحسن شوق نیموی کی''آثار السنن'' احادیثِ احکام پراہم کتب ہیں۔صحاح ستہ میں سے خالص فقہی اوراحکام پرمبنی احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ''سنن ابوداوٗد'' ہے۔

خلاصۂ کلام

شریعتِ اسلامیہ کا دوسراماٗخذ ومصدر، رسول اللہ کی''سنت'' ہے۔خالق کی تعلیمات واحکامات کا منشاء حقیقی طور پر وہی ذات ہی جانتی ہے جسے براہ راست اس تعلیم سے نوازا گیا۔ وہ ذاتِ عالی مقام ،رسول اللہ ہی ہیں۔اس لیے یہ ناممکن ہے کہ سنّتِ رسول اللہ سے بری الذمہ ہوکرہم دینِ متین کوسمجھ سکیں۔اللہ کے انبیاء ورُسُل ہی اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ وراستہ اوراس کی جانب سے ملنے والی تعلیمات واحکامات کے مبلّغ ومفسّر رہے ہیں۔لہٰذا سنتِ رسول اللہ، ایک طرف تو قرآن کریم کی تشریح وتوضیح ہے اور دوسری طرف خودکئی مستقل احکاماتِ دین کا ذریعہ بھی۔جس طرح قرآن مجید سے کسی حکم کی دلالت ہوتی ہے اسی طرح سنت سے بھی احکامات کی دلالت ہوتی ہے۔قرآنِ مجید کےبعض احکام مجمل ہیں اورسنت سے ان کی تفصیل ، وضاحت، تخصیص اورتحدید ملتی ہے۔قرآنِ مجید میں بعض معاملات میں سکوت ہے اورسنت ایسے معاملات کےمتعلق مستقل حکم رکھتی ہے ۔احکام اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ جس پرمسلمانوں کا تقریباً اجماع ہے، وہ یاتوسنت سے ماخوذ ہے یااس کی تشکیل میں سنت کا بہت زیادہ حصہ ہے۔البتہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ حدیثِ رسول اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنّتِ قولی سے کوئی حکم مستنبط کرتے وقت اُس فرمان وسنّتِ نبوی کا موقع ومحل،پسِ منظراوراسکی عِلّت اورسبب کو جاننا بہت

ضروری ہے۔ورنہ استنباطِ حکم میں سخت غلط فہمی کے امکانات رہ سکتے ہیں۔المختصر تفہیم و اتباعِ سُنّت کے بغیر شریعتِ اسلامیہ کی تکمیل اور اتباعِ خدا ہو ہی نہیں سکتی یہ بات نقلی و عقلی دونوں حیثیتوں سے مسلّم ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم الافریقی ابوفضل،علامہ۔لسان العرب،مطبع ،دار صادر ،بیروت، ج۱۳، ۲۲۵ ؛ ابراہیم انیس، ڈاکٹر، محمد خلف اللہ احمد، عبدالحلیم منتصر،ڈاکٹر،عطیہ الصوالحی۔ المعجم الوسیط،طبع ،دار الدعویٰ، ج۱،ص ۴۵۶

(۲) الاحزاب:۳۳:۶۲

(۳) فاطر،۳۵:۴۳

(۴) طبری،محمد بن جریر بن یزید بن غالب،ابوجعفر،امام۔جامع البیان عن تاویل آی القرآن،طبع،مؤسسہ الرسالۃ، ۱۴۲۰ھ، ج۴،ص ۶۵ ؛ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم الافریقی ابوفضل،علامہ۔ایضاً،مادہ،امم

(۵) زبیدی ،محبّ الدین، السید محمد مرتضٰی الحسینی الواسطی الحنفی ،علامہ ۔تاج العروس من جواھر القاموس، المکتبۃ الشاملہ، مادہ،امم

(۶) السباعی، مصطفٰی ۔السن ومکانتھا فی التشریح الاسلامی،مطبع المکتبہ الاسلامی۔س ن۔ص۴۷۔

(۷) الموسوعۃ الفقھیہ ،ایضاً، ج۵۲،ص۳۶۲

(۸) امینی،محمد تقی۔فقہ اسلامی کا تاریخی پسِ منظر،مطبوعہ،اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لیمیٹڈ،لاہور، مارچ، ۱۹۹۶ء،ص ۱۱۶

(۹) شافعی ،محمد بن ادریس ،امام ۔الرسالہ،مطبوعہ ،دار الکتب العلمیہ ،بیروت،لبنان، باب ماابان اللہ لخلقہ منفرضہ علی رسولہ اتباع اوحی اللہ،ص۱۹، ۲۹

(۱۰) امینی،محمد تقی۔ایضاً

(۱۱) بخاری ،عبدالعزیز بن احمد علاؤالدین الحنفی ،امام ۔کشف الاسرار (طبع اوّل)،مطبع،دارالکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۱۸ھ،۲،ص ۳۰۱

(۱۲) ابن عابدین،محمد امین بن عمر عبدالعزیز الدمشقی ،علامہ۔ در المختار،المکتبۃ الشاملہ،الاصدار الثالث، ج۱،ص ۷۷

(۱۳) السباعی، مصطفٰی ۔ایضاً،ص۸۴،

(۱۴) ایضاً،ص۸۴

(۱۵) بزدوی،علی بن محمد الحنفی ،امام۔اصولِ بزدوی، مطبع جاوید پریس،کراچی،س ن،ج ا،ص۱۳۹

(۱۶) محمد عبدالخالق،عبدالغنی،شیخ۔حجیتِ حدیث(مترجمہ: ندوی،محمد رضی الاسلام)،مطبوعہ، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی ،اسلام آباد،ص ۶۷[بحوالہ :الفواکہ،ج ا،ص۲۵۔العدوی علی ابن الحسن ،ج ا،ص۲۲۔ الصفتی ،ص ۴۷]

(۱۷) البغدادی،عبدالمومن بن عبدالحق ابو الفضائل صفی الدین الحنبلی،امام۔قواعد الاصول و معاقد الفصول، المکتبۃ الشاملۃ ،الاصدار الثالث،ص۸۵

(۱۸) السباعی، مصطفٰی ۔ایضاً،ص ۴۷

(۱۹) صحیح بخاری وصحیح مسلم

(۲۰) ابوداوٗد،سلیمان بن الاشعث بن شداد بن عمرو الأزدی،امام۔سنن ابی داؤد،دارالفکر، بیروت۔

(۲۱) الاعراف،۷:۱۵۸

(۲۲) الاحزاب،۳۳:۲۱

(۲۳) ابوداوٗد،سلیمان بن الاشعث بن شداد بن عمرو الأزدی،امام۔سنن ابی داؤد،دارالفکر، بیروت۔

(۲۴) شوکانی ،محمد بن علی بن محمد،امام۔ارشاد الفحول،مکتبہ المصطفٰی البابی،قاہرہ،مصر،ص ۸۹

(۲۵) صحیح بخاری، كِتَاب الجُمُعَةِ، بَاب صَلَاةِ الطَّالِبِ وَالمطلُوبِ رَاكِبًا وَإِيمَاءً: ج ۲،ص۵۹۱

(۲۶) السباعی، مصطفٰی ۔ایضاً،ص ۴۷۔

(۲۷) مودودی،سیدابوالاعلٰی ۔اسلامی ریاست،مطبوعہ۔اسلامک پبلیکیشنز پرئیویٹ لیمیٹڈ،لاہور،جولائی،۱۹۸۸ء،ص۲۹۷

(۲۸) البیہقی ،ابوبکراحمد بن حسن ،حافظ،امام۔المدخل الکبیر الی السنن الکبری [تحقیق و تدوین:اعظمی ،محمد ضیاء الرحمٰن ،ڈاکٹر۔اردومترجم :محمد یحیٰی خان،حکیم]،مطبوعہ، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور،مئی ،۱۹۹۲ء،ص ۲۱۳۔

(۲۹) محمود احمد غازی،ڈاکٹر۔محاضراتِ سیرت،مطبوعہ،الفیصل ناشران وتاجرانِ کتب،اردو بازار،لاہور،ستمبر،۲۰۰۹ء، ص۵۷۹،محاضراتِ فقہ،ص۲۳۴۔۲۳۵)

(۳۰) یہ خرگوش اور بڑے چوہے کے درمیان کی ایک مخلوق ہے۔اس کے گوشت کا کھایا جانا عرب میں مروّج تھا۔

(۳۱) محمود احمد غازی،ڈاکٹر۔محاضراتِ سیرت،ایضاً،ص۵۵۲،۵۵۳۔

(۳۲) القشیری ،ابنِ حجاج،مسلم۔الصحیح مسلم ۔مطبع صبیح،مصر،۱۳۳۴ھ،جلد ۷،ص:۹۵

(۳۳) ندوی،شاہ محمد جعفر پھلواری،مولانا۔مقالات،طبع،مکتبہ امتیاز،راولپنڈی،۲۰۰۷ء،ص ۹۸ تا ۱۰۱

(۳۴) ندوی ،مولانا محمد حنیف۔مسئلہِ اجتہاد،مطبوعہ،ادارہ ثقافت اسلامیہ،کلب روڈ،طبع چہارم،لاہور،۱۹۹۴ء،ص ۱۵۱،۱۵۲۔

(۳۵) حسن الخطیب ۔فقہ الاسلام،مطبوعہ،نفیس اکیڈمی ،اردو بازار،کراچی،اگست ۱۹۸۲ء،ص ۳۵۸۔

(۳۶) جس کا اردو زبان مین ترجمہ مولانا عبدالمصطفٰی شاہد محمود مدنی صاحب نے کیا ہے اور اس کتاب کو مکتبہ اعلٰی حضرت، لاہور نے شائع کیا ہے۔اس کتاب میں تقریباً ۱۷۰ فرامینِ رسول ﷺ کے اسباب کی وضاحت بیان کی گئی ہے۔

(۳۷) البقرۃ،۲:۱۸۸

(۳۸) محمد عبدالخالق،عبدالغنی،شیخ۔حجیت حدیث (مترجمہ: ندوی،محمد رضی الاسلام)،مطبوعہ، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد،ص ۸۰۰

(۳۹) المائدہ،۴:۳۸

(۴۰) شرح السنہ،بحوالہ: مشکوٰۃ، کتاب الحدود،قطع السرقہ،فصل دوم۔

(۴۱) النور،۳۴:۶۳

(۴۲) ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب عمری التبریزی،ولی الدین،امام،الشیخ۔مشکوٰۃ المصابیح (مترجمہ؛محمد صادق خلیل،مولانا)،طبع،مکتبہ،محمدیہ،فیص آباد،جنوری،۲۰۰۵ء،ص ۲۹

(۴۳) السباعی،مصطفٰی۔ایضاً،ص ۵۷

(۴۴) امیر بادشاہ،محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید ابن ہمام شارح محمد امین،کمال الدین۔تیسیر التحریر علی کتاب التحریر،مطبع،مصطفٰی البابی،مصر ۱۳۵۰ھ،ج ۳،ص ۲۲

(۴۵) النساء،۴:۵۹

(۴۶) الجوزی،ابن قیم،شمس الدین ابوعبداللہ۔اعلام الموقعین عن رب العلمین (مترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی)،مکتبہ قدوسیہ،اردو بازار۔لاہور، جولائی ۱۹۹۹ء،ج ۱،ص ۵۰

(۴۷) الانبیاء،۲۱:۷۳

(۴۸) النساء،۴:۶۵؛ الاحزاب،۳۳:۳۶

(۴۹) الاحزاب،۳۳:۷۸

(۵۰) الحشر،۵۹:۷

(۵۱) الاحزاب،۳۳:۶

(۵۲) صحیح بخاری وصحیح مسلم

(۵۳) التوبہ،۹:۶۲

(۵۴) الاحزاب،۳۳:۲۱

(۵۵) النساء،۴:۸۰

(۵۶) ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب عمری التبریزی، ولی الدین، امام، الشیخ۔ایضاً، حدیث نمبر:۱۶۵،ص ۱۱۳

(۵۷) ایضاً، ص ۲۹

(۵۸) ایضاً،ص ۲۹

(۵۹) العسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی بن محمد۔فتح الباری شرح صحیح البخاری، المطبعۃ السّلفیہ، قاہرہ، ۱۳۵۵ھ، ج ۱،ص ۲۹۰

(۶۰) زاوی، الطاہر احمد۔ترتیب القاموس المحیط، دار عالم الکتب، ریاض، سعودی عرب، ج ۱،ص ۱۶۵

(۶۱) التوبہ،۹:۳۶

(۶۲) صحیح البخاری، کتاب التفسیر ،ج ۸، حدیث نمبر ۴۶۶۲۔؛ صحیح بخاری ،کتاب الطب، ج ۱۰، حدیث نمبر ۵۷۰۷۔

(۶۳) صحیح البخاری ، کتاب المحاربین ،حدیث: ۶۷۹۵

(۶۴) ابو اسماعیل ،عبداللہ بن محمد الانصاری الھروی۔ذم الکلام وأهله، مشمولہ ویب سائیٹ: المکتبہ الوقفیہ ،ج ۲،ص ۹۱ http://waqfeya.com/

(۶۵) ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب عمری التبریزی، ولی الدین، امام، الشیخ۔ایضاً،ص ۱۱۲

(۶۶) صحیح البخاری کتاب المحاربین ،حدیث :۶۸۳۰

(۶۷) امینی، محمد تقی۔ایضاً،ص ۱۱۹ ؛ الجوزی، ابن قیم، شمس الدین ابو عبداللہ۔اعلام الموقعین عن رب العٰلمین۔ ایضاً، ج ۱،ص ۵۸

(۶۸) چشتی، مشتاق احمد، مولانا۔مقامِ سُنّت طبع، مکتبہ، مہریہ، ملتان، ۲۰۰۷ء،ص ۱۷۴

(۶۹) چشتی، مشتاق احمد، مولانا۔ایضاً،ص ۱۷۵، ۱۷۶

(۷۰) الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد۔المستصفی من علم الاصول، مطبع مصطفٰی محمد، مصر، س ن، ج ۱،ص ۹۵

(۷۱) قشیری ، مسلم بن حجاج۔الصحیح مسلم ۔ مطبع صبیح، مصر، ۱۳۳۴ھ ، بَاب استِحبَابِ تَقبِیل الحَجَرِالاَسودِ فِیالطَّوَافِ ،حدیث نمبر:۲۲۳۰

(۷۲) احمد بن محمد بن حنبلؒ۔مسندِ احمد، مطبع، حیدریہ، بمبئی، س ن، ج ۱،ص ۱۳۷

(۷۳) اس سے مراد یہ ہے کہ ایامِ حج میں حاجی پہلے عمرہ ادا کرکے احرام کھول دے اور دوبارہ آٹھ ذی الحجہ کو احرام باندھے اور پھر حج ادا کرے

(۷۴) الجوزی، ابن قیم، شمس الدین ابو عبداللہ۔ایضاً، ج ۱،ص ۵۶

(۷۵) الحشر، ۵۹:۷

(۷۶) ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب عمری التبریزی، ولی الدین، امام، الشیخ۔ایضاً، ص۳۸۱

(۷۷) الجوزی، ابن قیم، شمس الدین ابوعبداللہ۔ایضاً، ج۱، ص۵۶

(۷۸) امینی، محمد تقی۔ایضاً، ص۱۲۱

(۷۹) ایضاً

(۸۰) ایضاً

(۸۱) ایضاً

(۸۲) الرازی، محمد بن عمر بن الحسن۔المحصول فی علم الاصول[تحقیق: طہ جابر فیاض العلونی]، جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، ریاض، ج۶، ص۲۳

(۸۳) الغزالی، ابوحامد محمد بن محمد۔المستصفی من علم الاصول، مطبع، مصطفیٰ محمد، مصر۔س ن، ج۲، ص۳۸۴

(۸۴) شوکانی، محمد بن علی بن محمد، امام۔ارشاد الفحول، مکتبہ المصطفیٰ البابی، قاھرہ، س ن، ج۲، ص۲۰۷

(۸۵) رحمانی، خالد سیف اللہ، مولانا۔قاموس الفقہ، مطبوعہ، زمزم پبلشرز، اردو بازار کراچی، اگست ۲۰۰۷ء، ج۱، ص۳۲۶

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆